مولانا عتیق الرحمان سنبھلی *

مساوات مرد وزن

استدراک بر مضمون دریا سے اٹھی لیکن.....

جولائی کے الحق میں ''دریائے سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی'' کے عنوان سے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ کا ایک مضمون الفرقان کے حوالہ سے شائع ہوا ہے' فاضل مضمون نگار نے بطور استدراک حسب ذیل اضافہ کیا ہے اور افادیت کی خاطر اسے بھی الحق میں شائع کرنے کا مشورہ دیا ہے جسے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔..... (ادارہ)

مندرجہ بالا عنوان سے جو مضمون الفرقان میں نکلا' اس کے آخری جملے کے بارے میں احساس ہے کہ قارئین کی اکثریت کو تو غالباً نہیں مگر ایک اقلیت کی خواہش ہوسکتی ہے کہ اس کی کچھ تشریح کردی جاتی۔ اور خود اپنا بھی خیال ہے کہ ایسا ہو جائے تو مفید ہوگا۔ ذیل کا مختصر مضمون اسی استدراک کی نوعیت کا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۴ رالرجال قوامون علی النساء..... میں مردوں (شوہروں) کی نسبتاً بالاتری کا اعلان فرمانے کے بعد اولاً عورتوں کو تعلیم دی گئی تھی' کہ وہ شوہروں کے ساتھ زندگی گزارنے میں اس فرمان ربانی کا خیال رکھیں اور جو عورتیں اس ہدایت کا خیال رکھنے میں ناکام رہیں' ان کے بارے میں مردوں کو ہدایت دی گئی تھی کہ اگر ان کے رویہ میں سرکشی پاؤ تو (دور جاہلیت کی طرح ان پر ٹوٹ نہ پڑو' بلکہ) اولاً سمجھاؤ کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس سے کام نہ چلے تو خواب گاہوں میں ان سے علیحدگی اختیار کرلو' یعنی ان کے ساتھ ہمبستری کا رشتہ معطل کردو' اور اس پر بھی خدانخواستہ ان کو سمجھ نہ آئے تب حق ہے کہ مارو' آگے آیت کو ختم کرتے ہوئے فرمایا گیا' پھر اگر وہ درست اور تابعدار ہو جائیں تب ان پر زیادتی کیلئے بہانے مت ڈھونڈو۔'' آیت کے آخری حصے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہورہی ہے کہ اس میں دی گئی تعلیم کا اصل مقصد مردوں کو عورتوں پر زیادتی سے روکنا ہے' نہ کہ زیادتی کا راستہ دکھانا' اسلام سے پہلے عربوں میں یہ شعور کہاں تھا کہ بیوی پر ہاتھ اٹھانے سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔

موجودہ زمانہ جس پر مغربی تہذیب اور مغربی فکر و فلسفہ کا راج ہے اور مرد وزن کی برابری کا نعرہ گونج رہا ہے اس

---

* چیئرمین ورلڈ اسلامک فوم۔ یو۔ کے

میں ایک مسلمان بھی شوہر اور بیوی کے رشتے میں مرد کو دی گئی اس اجازت کے دفاع میں کہ وہ بیوی پر ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے' پریشانی محسوس کرتا ہے۔ اگر چہ ایمان رکھتا ہے کہ فیصلہ وہی برحق ہے جو اللہ نے کیا ہے' زمانے کے چلن اور اس کے نعروں کا دباؤ واقعی سخت ہوتا ہے مگر فطرت کی کوکھ سے جنم لینے والی حقیقتیں ان نعروں کے دباؤ سے کہیں زیادہ سخت بلکہ ان پر خندہ زن ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہی مغرب جو قرآن پاک کی اس آیت پر بڑی طعنہ زنی کرتا ہے اس میں شوہروں کے ہاتھوں بیویوں کے پٹنے کی پرانی ریت میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ حالانکہ وہاں عورتیں زندگی کے تمام میدانوں میں مردوں کی ہمسر ہوتی چلی جارہی ہیں' اس حقیقت کی شہادت کے لئے اصل مضمون میں انہیں محترم خاتون کا ایک بیان گزر چکا ہے' جن کے حوالے سے یہ مضمون لکھا گیا تھا' اس بیان کے الفاظ تھے'' (مغرب میں بھی) بیویوں کو پیٹا جاتا ہے' اگر چہ عورتوں کو پیٹنا ان کا روزمرہ کے معمولات میں شامل نہیں ہے۔ لیکن جب پیٹتے ہیں تو بہت بری طرح پیٹتے ہیں۔'' اور یہ شہادت چونکہ کسی ایسی خاتون کی نہیں ہے جو عوامی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ وہ اچھے تعلیم یافتہ طبقوں کی بات کررہی تھی' اور اس سے بھی بڑھی چڑھی شہادت تو ایک امریکی صحافی کی ہے' جس نے کچھ پہلے مشہور سابق امریکی مسٹر نکسن کے بارے میں متعدد انکشافات کرتے ہوئے یہ بھی بتایا تھا کہ موصوف اپنی اہلیہ محترمہ کو بری طرح پیٹنے کے عادی تھے۔ امریکی قصر صدارت سے بڑھ کر اور کون سی اونچی سطح مغربی سوسائٹی مین تلاش کی جاسکتی ہے؟ تو مساوات کے سلسلے میں ہمہ جہت کامیابیوں کے باوجود اس پر پڑنے والی یہ 'ضرب' ہے کہ وہاں بھی کسی طرح قابو میں نہیں آتی ہے؟

قصہ یہ ہے کہ مرد کی ایک فطری خصوصیت' جو منجملہ دوسری خصوصیات' اسے عورت سے ممتاز کرتی ہے' غلبہ وتسلط (domination) کی چاہت ہے اور اس خصوصیت کو اپنا اظہار کا کہیں موقع مل پاتا ہو یا نہ مل پاتا ہو بیوی کے ساتھ تعلق میں ضرور اور بھرپور ملتا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان شادی کے رشتے کا اصل تعلق اپنی عملی شکل میں مرد کو جو پارٹ اور کردار دیتا ہے' وہ ایک ڈامینیٹ کرنے اور حاوی ہونے والے پارٹنر ہی کا ہوتا ہے' پس جب ایک مرد بیوی کا رویہ اپنی اس طبعی خصوصیت سے ٹکراتا ہوا پائے گا تو بس اس کی تہذیبی ترتیب یا اور ایسا ہی خارجی عوامل اسے اپنے طبعی ردعمل سے باز رکھ سکتے ہیں' ورنہ یہ طبیعت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہے گی۔ میڈیکل سائنس کی زبان میں اسے ہمارے ڈاکٹر دوست بتاتے ہیں کہ مرد کا یہ مزاج اور خصوصاً خاص ہارمون کا اثر ہے جسے Androgen کہا جاتا ہے۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے مغرب کا بزعم خود 'انتہائی مہذب' معاشرہ اپنے اور دوسرے معاشروں کے تاریک دور کی اس روایت سے آزاد نہیں ہو پاتا' اور یہی چیز ہے کہ اسلامی شریعت نازل کرنے والی ہستی جو انسان کی خالق بھی ہے وہ انسان کی اس کمزوری کو تہذیب تو سکھاتی ہے مگر اس پر کلیۃً غالب آجانے کا حکم اسے نہیں دیتی۔ دوسرے الفاظ میں یہ اجازت جو آیت مبارکہ میں دی گئی ہے ہرگز ایسی بات نہیں ہے جو اللہ کو پسند ہو۔ اس کے لئے قرآن پاک کی بہت سی آیات سے دلیل دی جاسکتی ہے' مگر نہایت مختصر اور محکم دلیل اس سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کا رویہ اور اسوہ حسنہ ہے۔

زیر بحث آیت کے سلسلے میں روایت آتی ہے کہ ایک خاتون آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے شوہر کی شکایت لائیں کہ اس نے انہیں تھپڑ مارا۔ (بظاہر یہ قرآن کی عمومی تعلیمات ہی کا اثر ہوسکتا تھا کہ چودہ سو برس پہلے کے عرب معاشرہ میں ایک عورت میاں کے ایک تھپڑ کی شکایت لے کر حضور ﷺ کے پاس پہونچ جائے بالکل ایسے ہی جیسے عربوں میں ظہار کا ایک نہایت نامعقول پرانا قانون تھا جو بیوی کو ماں کی طرح حرام ٹھہرا دیا کرتا تھا' مگر قرآن پاک کے نزول نے جو ذہنی انقلاب کی فضا پیدا کی تو خواتین کو نظر آیا کہ اب یہ احمقانہ قانون نہیں ٹھہرے گا' چنانچہ اب جو اس قانون والا ایک واقعہ پیش آیا تو خاتون سیدھی در نبوت پر جا پہونچیں اور اسی موقع پر قرآن کی سورۃ نمبر ۵۸ 'المجادلہ' کا نزول ہوا جس نے اس قانون جاہلی کو رخصت کیا۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے خاتون کی شکایت سن کر فرمایا کہ قصاص (برابر کا بدلہ) دلایا جائے گا۔ روایات بتاتی ہیں کہ یہ موقع تھا کہ سورۂ نساء کی وہ آیت نازل ہوئی جس کے حوالے سے بات ہو رہی ہے اور اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''میں نے تو کچھ اور چاہا تھا مگر اللہ کا فیصلہ کچھ اور ہوا'' یعنی یہ کہ میاں بیوی کے درمیان کے ایسے قضیے میں قصاص کا عمومی قانون نافذ نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ آیت کے نزول سے پہلے تک آنحضرت ﷺ قطعیت کے ساتھ یہ رائے رکھتے تھے کہ ایسے قضیے پر قصاص کا قانون عائد ہوگا' جو کہ اس بات کی ایک واضح دلیل ہے کہ شوہر کا دست درازی والا فعل عمومی اسلامی نقطہ نظر سے ایک ناپسندیدہ فعل ہے اور آیت کے نزول کے بعد اگرچہ آپ کی اس رائے کی گنجائش نہیں رہ سکی' لیکن اس فعل کی ہمت شکنی کا رویہ آپ کی طرف سے ہمیشہ رہا۔ اور اس کے بعد اس بات کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی کہ یہ فعل اسلام میں اصلاً ایک ناپسندیدہ فعل تھا' آنحضرت ﷺ کے اس رویہ کو بتانے والی ایک حدیث میں جسے تفسیر ابن کثیر میں ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے آپ کے الفاظ ہیں: لا تضربوا اماء الله (اللہ کی بندیوں کو مارو نہیں) پھر اسی حدیث میں آتا ہے کہ لوگوں نے شکایت کی کہ حضور عورتیں بہت سرچڑھی جا رہی ہیں' یعنی آپ نے ہمارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں! اب ظاہر ہے کہ اللہ کی طرف سے اجازت آچکی' تو حضور کہاں تک ان کو روکیں۔ مجبوراً اجازت دی۔ لیکن اس پر جب عورتوں کے غول کا شانۂ نبوی پر شکایت کناں پہنچے (غالباً مردوں نے اجازت کا کچھ بے جا ہی استعمال کر لیا تھا) تو آپ نے ان کی شکایت کے حوالے سے پھر لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا: ''جو لوگ عورتوں کو اس قدر شکایت کا موقع دے رہے ہیں' وہ اچھے لوگ نہیں ہیں'' ایک اور بہت صاف حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے اچھے وہ ہیں جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ اچھے ہوں۔'' غرض ایک دو نہیں کتنی ہی حدیثیں ملتی ہیں جو عورتوں کے بارے میں حسن معاشرت پر زور دیتی ہیں اور سورۃ نسآ کی اس اجازت سے فائدہ اٹھانے کی ہمت شکنی کرتی اور اس بارہ میں شک کی گنجائش نہیں چھوڑتیں کہ قرآں پاک کی یہ اجازت پسندیدگی کے ہم معنی نہیں ہے۔

بظاہر یہ رویہ ایک قسم کے تضاد کا حامل ہے' لیکن اس زندگی کی تو پوری گاڑی ہی تضادات کے باہمی تال میل پر

چل رہی ہے۔ زمین وآسمان دو بالکل متضاد چیزیں ہیں' اسی سے کہا جاتا ہے کہ پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی' لیکن کائنات کے یہی دو متضاد وجود ہیں' جن کے تال میل سے ہمارے اس کرۂ ارض پر زندگی کا چراغ روشن ہے اور اتنی دور کیوں جایئے۔ مرد اور عورت کا باہمی تضادات کچھ کم ہیں؟ ایک ریشم ہے تو ایک آہن' ایک کا شوق قبضہ شمشیر ہے تو دوسرے کا دیباوحریر۔ غرض نکالتے چلے جائیں' متضاد پہلو نکلتے چلے آئیں گے مگر ان تضادات کے میل ہی سے دنیا آباد ہے۔ اسلام نے طلاق کو جائز رکھا ہے' مگر یہ بتاتے ہوئے کہ یہ بے حد ناپسندیدہ چیز ہے' ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ (ترجمہ) اللہ نے کوئی ایسی دوسری چیز حلال نہیں کی ہے جو اسے طلاق سے بڑھ کر ناپسند ہو۔'' اس درجے کی ناپسندیدگی کے ساتھ اسے جائز رکھنا ایک تضاد ہی کہلائے گا۔ مگر ہم میں سے کون ہے جو یہ کہے کہ اس کا جواز نہ رکھنا چاہیے تھا؟ عیسائیت نے طلاق اور شادی کو ایسا ہی متضاد مانا تھا کہ جمع نہ ہوسکیں' مگر اب دنیائے عیسائیت میں جس قدر طلاق کا چلن ہے' اسلامی دنیا میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ غرض تضادات کو نبھائے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چلتی۔ بیوی پر ہاتھ اٹھانے کو اس قدر ناپسند کرتے ہوئے جس کا اندازہ مذکورہ بالا احادیث سے ہوتا ہے اس کی اجازت بھی دے دینا یہ بھی اسی طرح کی چیز ہے جیسے طلاق کا مسئلہ۔ اور یہ اس لئے کہ مرد کے بارے میں جب یہ مان لینا پڑتا ہے کہ کم از کم بیوی کے بارے میں اس سے امید نہیں کی جاسکتی کہ ضرور ہی اس کے ایسے رویہ کو قبول کرلے جو اس کے مزاج کی تسلط واقتدار پسندی سے ٹکرا رہا ہے تو اسلام جواز دواجی زندگی پر زور دیتا ہے اور پھر ایک دفعہ یہ رشتہ قائم ہونے کے بعد اس کی برقراری کو بھی اتنی اہمیت دیتا ہے کہ طلاق کو جائز بھی رکھتا ہے' تو ایک مبغوض ترین فعل کہہ کر' اسے مرد کی اس کمزوری کو جو اس کی خلقت کا حصہ ہے ایک حد تک رعایت دینا ہوگی اور عورت جس کے اندر طبعی طور پر ملائمت اور برداشت رکھی گئی ہے اس سے توقع کی جائے گی کہ اس نے اگر مرد کے اس مزاج کو ملحوظ نہیں رکھا تھا' تو پھر اس کے ردعمل کی برداشت کو اپنی غلطی کا کفارہ سمجھے۔ اور گھر کو بگڑنے نہ دے۔

لیکن یہ جبھی ممکن ہوگا جب عورت کے ذہن میں شوہر کی برابری کا وہ خیال نہ ہو جو مغربی تہذیب نے اپنے یہاں عام کردای تھا اور اس کا نتیجہ ہے کہ شادی کا ادارہ وہاں اب ایک یادگار ماضی بنتا جارہا ہے۔ برطانیہ کے ایک قدیم ادارہ' میرج گائیڈنس کاؤنسل' کی ایک حالیہ رپورٹ (۲۱ اپریل) میں شادی کے رواج کا نوحہ پڑھتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ''۲۰۳۰ء آنے تک پانچ میں سے صرف ایک جوڑا شادی کرنے والا ہوگا اور ۱۰ میں سے ۸ بچے شادی سے باہر پیدا ہورہے ہوں گے۔'' مغرب کے لئے اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ یہ فرد کی ذاتی زندگی کا معاملہ ہے' لیکن اسلام اس کا روادار نہیں ہوسکتا۔ اور اسلام ہی نہیں' اللہ کا شکر ہے کہ مغرب سے متاثر مسلمان مردوں اور عورتوں میں سے بھی ان شاء اللہ کوئی نہ نکلے' جو شادی کے بغیر صاحب اولاد بننے پر راضی ہو۔ وہ اس معاملے میں اسلام کے موقف مقتضائے انسانیت اور اس کے خلاف کو ننگ انسانیت جانتا ہے لیکن اس موقف کی حفاظت اس کے بغیر ہرگز نہیں ہوسکتی ہے کہ قرآن پاک

کے اس موقف کو بھی سینے سے لگا کر رکھا جائے کہ عورت جب شادی کے بندھن میں آ جائے تو وہ اپنے مرد سے ہمہ جہت برابری و مساوات کی دعویدار نہیں رہ سکتی ہے۔ اس دعویداری سے اگر دست برداری نہیں دی جاتی تو ہمارے یہاں بھی (خدا نہ کرے) شادی کے ادارہ کا وہی حشر ہوگا جو مغرب میں ہو رہا ہے۔ شادی کا بندھن ناقابل برداشت ہو جائے گا اور پھر ہم بھی جو اسی طرح گوشت پوست کے انسان ہیں جیسے کہ مغرب والے ہیں، کیسے خاص ہمارے لئے ممکن ہوگا کہ ہم پاکباز و پاکدامن رہ جائیں اور (معاذ اللہ) شادی بغیر بچے وجود میں آنے کا سلسلہ نہ قائم ہو جائے؟ مغرب کے حال سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ شادی کا بندھن ایک چھوٹا سا ادارہ وجود میں لاتا ہے اور ادارہ چھوٹا یا بڑا نظم وضبط کے لئے ایک سربراہ کی اس کو ضرورت ہوتی ہے اگر کسی معاشرہ کو مرد کی سربراہی پسند نہیں ہے تو عورت کو سربراہ مان لے، دونوں کی برابری حیثیت سے ادارے کو نہیں چلنے دے گی۔ میرے پارلیمانی حلقے کے ایم۔ پی ادھیڑ عمر ہیں، ان کی شادی حال ہی میں اس لئے ٹوٹی کہ بچے کس اسکول میں پڑھیں اس پر میاں بیوی میں اختلاف تھا اور دونوں برابری کے حقدار۔

اس تحریر میں بھی اور اصل مضمون میں بھی عورت اور مرد کی مساوات وعدم مساوات پر گفتگو میں اس بات کا پورا لحاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قارئین اس گفتگو کو عام مرد اور عورت سے متعلق نہیں بلکہ صرف شوہر اور بیوی سے متعلق سمجھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یوں تو مرد اور عورت کے معاملے میں عدم مساوات کی کیفیت اس قید سے باہر بھی مختلف اسلامی احکام میں بظاہر نظر آتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے مغرب ہمارے ان لوگوں کو جو اس سے متاثر ہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ اسلام عورت کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے، اور یہ متاثرین اپنی تحریروں میں اس ناانصافی کا بیان اس پیرائے میں کرتے ہیں کہ حقیقی اسلامی تعلیمات میں تو ایسا نہ تھا، یہ اصل میں ملاؤں (علماء) کا پیدا کیا ہوا فتور ہے) مگر حقیقت میں صرف یہ میاں بیوی سے متعلق احکام ہی ہیں جہاں واقعی معنی میں عدم مساوات ہے اور اس کے لئے واضح ہو چکا کہ کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔ لیکن میاں بیوی کے دائرہ تعلق سے باہر کوئی ایسی مثال نہیں ہے جسے حقیقی معنی میں عدم مساوات پر مبنی حکم کہا جا سکے۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی علت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے حکم میں تفریق اور بظاہر عدم مساوات ہی میں انصاف اور حقیقت پسندی ٹھہری ہے۔ موٹی مثالوں میں وراثت کو لیجئے اسلام میں مرد اور عورت کا مے زندگی کا معیاری (Standard) تصور ازدواجی زندگی کا ہے اور اس زندگی میں مرد اپنے اخراجات کا بھی ذمہ دار اور بیوی بچوں کے جملہ اخراجات کا بھی چاہے بیوی سرمایہ داری ہی ہو۔ ایسی صورت میں بیٹے اور بیٹی کے حصہ وراثت میں برابری بیٹے کے ساتھ صریح ناانصافی بنتی ہے۔ دوسرے درجے میں دیت (Blood Money) پر بڑا شور مچایا جاتا ہے، کہ عورت کی جان کی قیمت بھی آدھی کر دی گئی۔ حالانکہ اگر ایسی بات ہوتی تو قصاص کی صورت میں یہ حکم نہیں ہو سکتا تھا کہ مرد کے قاتل مرد کی طرح عورت کے قاتل مرد کی بھی جان قصاص میں لی جائے گی۔ قصاص میں یہ حکم ہوتے ہوئے دیت میں فرق کی وجہ یہ

ہے کہ دیت دراصل جان کی قیمت نہیں ہے۔ انسانی جان کی تو کوئی قیمت ہو ہی نہیں سکتی۔ قرآن کہتا ہے: من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمعیا (جس کسی نے کسی کو قتل کیا بغیر اس کے اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا ملک میں فساد مچایا ہو' تو اس نے گویا قتل کر دیا سارے انسانوں کا۔'' (المائدہ ۳۲) ایسی جان کی کیا قیمت لگائی جانی ممکن ہے؟ پس یہ دیت میں مرد کے خون کا بدلہ ہو یا عورت کے خون کا' یہ اس کی جان کی قیمت نہیں ہے' یہ اس نقصان کی قیمت ہے جو کسی گھرانے کو اس کے ایک فرد کی جان کے ضیاع سے پہنچتا ہے۔ جذباتی نقصان کے اعتبار سے یہ ہر دو صورت میں برابر ہو سکتا ہے۔ مگر مادی نقصان کسی گھرانے کو (سوائے شاذ و نادر صورتوں کے) مرد ہی کی جان جانا سے زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا مادی بدلہ بھی زیادہ ہے۔

الغرض ایسے جس معاملے کی گہرائی میں بھی جایا جائے گا' صاف نظر آ جائے گا کہ مسئلہ عدم مساوات کا نہیں ہے' ایک دوسری شئی ہے جو تفریق کا باعث بن رہی ہے! مگر جادو تو نام ہی اس شئی کا ہے جو سر پر چڑھ کے بولے' مغرب کے اس افسون مساوات نے حالت یہ کر دی ہے کہ ہماری بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کو علامہ اقبال تک کے ایسے اشعار میں نسوانیت کی توہین نظر آنے لگے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ''نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد'' یا ایسے صدیوں سے چلے آنے والے محاورے جیسے: ''ہم نے چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔'' ان میں خرابی یہ ہے کہ یہ عورت ذات کو کمزور دکھاتے ہیں لیکن ان خواتین کو اس انگریزی محاورے پہ اعتراض کرتے کبھی نہ پایا جائے گا' جس میں کہا جاتا ہے لیڈیز فسٹ (Ladies First) حالانکہ یہ بھی لیڈیز کو کمزور (صنف نازک) ماننے ہی پر مبنی ہے اور واقعہ میں عورت کی کمزوری اور نازک اندامی ایک ایسی حقیقت ہے کہ مغرب کی عورت کو بھی اس کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں۔ چند سال پہلے کی اسی لندن کی بات ہے جہاں یہ راقم رہ رہا ہے' کہ ایک جنسی حملہ آور نے علاقے کی عورتوں کے لئے بڑا مسئلہ بنا رکھا تھا' پولیس اس کی گرفت میں ناکام ہو رہی تھی' آخر میں تدبیر یہ سوجھی کہ ایک خاتون پولیس آفیسر کو اس کے لئے پھندے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ یہاں کی خواتین ماشاءاللہ عام طور پر یوں بھی صحت مند اور توانا ہوتی ہیں۔ پھر پولیس میں تندرستی اور قد کاٹھ کو خاص طور پر دیکھا جاتا ہے' مزید برآں مجرمین سے عہدہ برا ہونے کی خصوصی ٹریننگ ان لوگوں کو ملتی ہے اور جب یہ مہم ایک معلوم طور پر خطرناک قسم کے مجرم کی گرفتاری کی مہم تھی' تب تو کیا شبہ ہے کہ پولیس فورس نے اپنی مضبوط ترین خاتون افسر کو میدان میں اتارا ہوگا۔ مگر اس خاتون کا بیان تھا کہ جب اس نے مجھے گرفت میں لیا تو لگتا تھا کہ میرا دم نکل جائے گا۔ مگر میرے ساتھی جو آس پاس مستعد تھے جلد ہی میری مدد کو آ پہنچے۔ اب ضرورت نہ مغرب کو برا بھلا کہنے کی ہے نہ اس سے متاثر ہونے والوں کی ضرورت اس راز کو پانے کی ہے ہماری کوششیں اس جادوگری کے توڑ میں کیوں ناکام ہیں؟